ناسخ و منسوخ

(علامہ عبداللہ العمادی)

ہفتہ کا روز ہے، ذی الحجہ کی دس شبیں گزر چکی ہیں، حج میں چار ہی دن باقی ہیں، قافلۂ حجاج روانہ ہو چکا ہے، اور جن کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی ان کی حسرتوں کی انتہا نہیں، ہجرت نبوی کا تین سو اڑتیسواں سال ہے، فسطاط کے قریب، دریائے نیل کے کنارے، ایک پیر مرد استغراق میں ہیں، اور اسی محویت کے عالم میں کچھ غنغنا بھی رہے ہیں، مصر کی شادابی کا دریائے نیل کی طغیانی پر انحصار ہے، جس کا یہی زمانہ ہے، ایک راہگیر کا ادھر سے گزر ہوتا ہے، جہالت اس کو برانگیختہ کرتی ہے کہ یہ پیر مرد کوئی جادوگر ہے کہ رود نیل میں سیلاب نہ آئے اور نرخ گراں چڑھ جانے کے لئے جادو کر رہا ہے، پیچھے سے ٹھوکر دیتا ہے، اس کی خشک مغزی دیکھ کر لہریں اٹھتی ہیں اور ان بزرگ کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہیں۔

یہ ڈوبنے والے بزرگ ابو جعفر نحاس تھے، جن کی شہرۂ آفاق کتاب "الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم" میرے مطالعہ میں ہے اس بلند پایہ کتاب پر تبصرہ سے قبل دو باتیں کہنے کی ہیں۔

(۱) اسلام میں ناسخ و منسوخ کی اہمیت کیا ہے؟

(۲) ناسخ و منسوخ کی حقیقت کیا ہے؟

پہلی تنقیح کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایک دن ایک واعظ مسجد کوفہ میں وعظ کہہ رہا

تھا، جس میں کتاب اللہ سے استدلال کرتے ہوئے عذابِ الٰہی پر زیادہ زور تھا، ہنوز مجلس گرم ہی تھی کہ امیر المومنین علی رضؓ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور پوچھا: کون؟ جواب ملا: ایک واعظ۔ فرمایا: یہ واعظ نہیں، یہ اپنے آپ کو مشہور کرنا چاہتا ہے، اس سے پوچھو ناسخ و منسوخ جانتا ہے؟ اُس نے عرض کی نہیں، فرمایا: فاخرج من مسجد ولا تذکر فیہ[1]۔ ناسخ و منسوخ کو نہیں جانتا تو ہماری مسجد سے نکل جا، یہاں وعظ نہ کہنا۔

دوسری توضیح کو سمجھنے کے لیے "نسخ" کی تعریف سن لینی چاہیے:

نسخ یہ ہے کہ اصلاح کی غرض سے کسی حلال کو حرام، یا حرام کو حلال، یا مباح کو ممنوع، یا ممنوع کو مباح کیا جائے، یا ایک کھلی ہوئی راہ کو بند یا بند کو کھول دیا جائے[2]۔

یہاں محلِ بحث یہ ہے کہ اللہ کے علم میں تو نقص نہیں، یہ تو انسان کے ضعفِ علم و نقصان کا اقتضاء ہے کہ آج ایک حکم دیا، کل کو اس کی مضرت محسوس ہوئی تو اس کو منسوخ کر دیا۔ اللہ کے سامنے تو ہر زمانے کی مصلحت ہے، وہ ایسا حکم کیوں دینے لگا جسے بعد کو خلافِ مصلحت سمجھ کر منسوخ کرنا پڑے۔

یہی اعتراض ہے جس کی بنا پر بعض حضرات کلام اللہ میں ناسخ و منسوخ کے وجود سے ہی منکر ہو گئے، واقعہ یہ ہے کہ "نسخ" کا یہ مطلب ہی نہیں۔

یہ "بدا" ہے جس سے خود قدماؤں کو انکار ہے، نحاس کی توضیح ملاحظہ ہو:

---

[1] احمد بن علی عن ابی بکر بن ابی جعفر عن محمد بن جعفر الانباری عن یحییٰ عن معاویہ بن عمرو عن ابی اسحاق عن عطاء بن السائب عن ابی البختری

[2] النسخ تحویل العباد عن شئ قد کان حلالاً فحرم او کان حراماً فحلل او کان مطلقاً فحظر او محظوراً فیطلق او مباحاً فمنع او ممنوعاً فیباح، ارادۃ الاصلاح للعباد ص ۹

"اللہ نے رسول کو ایک حکم کیا تھا ہیجا جو موقت تھا (دوامی نہ تھا) اس حکم کے نافذ رہنے کی ایک مدت مقرر کردی جب وہ مدت پوری ہوگئی تو اس حکم کو بھی زائل کردیا۔"[1]

"نسخ" اور "بداء" کے فرق میں ایک مستقل بات ہے جو سمجھنے کے قابل ہے: "اللہ کو انجام کا علم تھا جب اُس نے ایک حکم دیا اسی وقت یہ بھی جانتا تھا کہ یہ حکم اتنی مدت کے لیے ہے اس مدت کے ختم ہونے پر باقی نہ رہیگا..... (۱) نماز کیلئے ایک مدت تک بیت المقدس قبلہ تھا جب یہ مدت ختم ہوگئی تو کعبہ ہوگیا (۲) رسول اللہ سے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سرگوشی کرنیوالے کو صدقہ پیش کرنیکا حکم ہوا یہ حکم بھی میعادی تھا میعاد گزر گئی تو حکم بھی گزر گیا۔

"اللہ نے جو حکم جس وقت تک کیلئے دیا اُسوقت کے آنے ہی وہ حکم منسوخ ہوگیا مثلاً ایک قوم کیلئے ہفتہ کے دن کام کاج حرام قرار دیا تھا یہ بھی ایک وقت کی بات تھی دوسری قوموں کیلئے کام کاج حلال ہوگیا۔

"پہلے جو حکم دیا تھا اس میں بھی حکمت تھی، بعد کو جو منسوخ ہوگیا اس میں بھی حکمت تھی....."

اس توضیح کے بعد "بداء" کی حقیقت بھی دیکھ لیجیے:

"بداء" یہ ہے کہ ایک عزم کیا اور پھر اُس کو ترک کر بیٹھے، مثلاً تم نے کسی سے کہا: فلاں کے پاس جاؤ۔ پھر کہا نہ جاؤ تو یہ نقصانِ بشریت ہے۔ اور انسان کو یہ لاحق ہوتا ہی (اللہ اس سے منزہ ہی) اسیطرح حکم دیا کہ اس سال فلاں چیز کی کاشت کرو، پھر اُس کی ممانعت کردی، تو یہ بداء ہے۔[2]

ان اقتباسات سے اہلِ نظر اندازہ کرسکتے ہیں کہ ناسخ و منسوخ پر اعتراض کی گنجائش نہیں نسخ اُسی حد تک ہے کہ بعض احکام میعادی و بعض موقت تھے گزرتے ہی منسوخ ہوگئے "اعتراض" بداء پر وارد ہوتا ہے مگر کلام اللہ کو "بداء" سے سروکار ہی نہیں۔ غلط فہمی نے جسکو "نسخ" سمجھ رکھا ہے وہ نسخ نہیں ہے "بداء" ہے

---

[1] ۔ صحیفۂ اولیٰ

[2] صحیفۂ تاسعہ و عاشرہ